رمضان، روزہ اور قرآن

ڈاکٹر اسرار احمد

نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم ...... امّا بعد:

اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرّجیم۔ بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم

﴿ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْ أُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ ﴾ (البقرۃ:۱۸۵)

''رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو انسانوں کے لئے سراسر ہدایت ہے اور ایسی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے جو راہ راست دکھانے والی اور حق و باطل کا فرق کھول دینے والی ہیں۔''

اس آیۂ مبارکہ میں فضیلتِ ماہِ رمضان کا سبب یہ بیان ہوا ہے کہ یہ نزولِ قرآن کا مہینہ ہے۔ پھر اس آیۂ مبارکہ میں قرآن مجید کی تین شانیں بیان ہوئی ہیں۔ پہلی یہ کہ قرآن ''هُدًى لِّلنَّاسِ'' ہے۔ دوسری یہ کہ یہ ہدایت گنجلک نہیں ہے' بلکہ روشن دلائل کے ساتھ اس میں انسان کی انفرادی و اجتماعی زندگی گزارنے کے لئے واضح رہنمائی موجود ہے اور تیسری یہ کہ یہ ''الفرقان'' ہے' یعنی حق و باطل کو جدا کرنے' اُن میں فرق و امتیاز کرنے والی کتاب ہے۔ قرآن حکیم کی ان شانوں کے حوالے سے دل تو یہ چاہتا تھا کہ موجودہ مضمون میں ''عظمت قرآن'' کے موضوع پر کچھ لکھا جائے۔ لیکن خیال آیا کہ جہاں تک قرآن مجید کی عظمت' اس کے مقام و مرتبہ اور اس کی شان کا تعلق ہے تو واقعہ یہ ہے کہ اس کا بیان تو کجا اس کا کماحقہٗ ادراک بھی کسی انسان کے بس میں نہیں۔ سیدھی سی بات ہے کہ ؏

قدرِ گوہر شاہ داند یا بداند گوہری

قرآن حکیم کے اصل مقام و مرتبہ کا علم صرف اُس شاہِ ارض و سماوات کو ہے جس کا یہ کلام ہے' اور اس کی حقیقی قدر و قیمت اور منزلت سے آگاہ صرف وہ ذاتِ بابرکات ہے جس پر یہ نازل ہوا' یعنی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ۔ پھر یہ کہ ''عظمتِ قرآن'' کا موضوع زیادہ تر علمی نوعیت

کا ہے‘ جب کہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہدایات وتعلیماتِ قرآنیہ کے کچھ عملی پہلو ہمارے سامنے آتے رہیں۔ اگر علم میں اضافہ ہوتا چلا جائے اور عمل میں ترقی نہ ہو تو یہ مفید ہونے کے بجائے الٹا نقصان دہ ہوسکتا ہے۔ ویسے بھی ہمارے دین کا مزاج یہ ہے اور یہ مزاج صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں بہت نمایاں تھا کہ وہ علمی نکات کی طرف زیادہ نہیں جاتے تھے‘ بلکہ قرآن مجید کے عملی پہلوؤں پر زیادہ توجہ صرف کرتے تھے تاکہ قرآن مجید کی ہدایات و تعلیمات پر عمل پیرا ہوکر دین ودنیا کی سعادتوں سے بہرہ مند ہوں۔

الغرض قرآن حکیم کی حقیقی عظمت تو وہ ہے جو ہمارے وہم وخیال سے بھی بالاتر ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ہم اس پر اپنے قلم کی جولانی دکھائیں یا قوتِ لسانی استعمال کریں تو کہیں نہ کہیں توہین کے مرتکب ہوجائیں۔ اس لئے کہ کسی کی عظمت بلندتر ہو اور ہم اُسے کمتر بیان کریں تو یہ گویا ایک نوع کی توہین ہے۔ ہمارا صحیح طرزِ عمل یہ ہونا چاہئے کہ سوچا جائے کہ قرآن مجید سے ہمارا قلبی اور عملی تعلق کیا ہے! اور اس کی ہدایات وتعلیمات سے ہماری صحیح وابستگی ہے یا نہیں! اور قرآن مجید کے ہم پر کیا حقوق ہیں اور ان کو ادا کرنے کے لئے ہم شعوری طور پر کس قدر کوشاں ہیں!

اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن مجید کی عظمت کا موضوع بھی یقیناً بہت اہم ہے۔ خود قرآن مجید میں قرآن کی عظمت کا بیان مختلف اسالیب اور مختلف پیراؤں میں آیا ہے۔ کہیں تمثیل کے پیرائے میں فرمایا کہ:

﴿لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ ؕ وَ تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ ۝﴾ (الحشر)

’’اس قرآن کو اگر ہم کسی پہاڑ پر نازل کردیتے تو تم دیکھتے کہ وہ (پہاڑ) دب جاتا‘ پھٹ جاتا اللہ کے خوف سے۔ اور یہ مثالیں ہیں جو ہم لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں‘ تاکہ وہ غور وفکر سے کام لیں‘‘۔

اس تمثیل میں ہم سے کہا جارہا ہے کہ قرآن کی عظمت کا صحیح ادراک تمہارے لئے ممکن نہیں ہے‘ کوئی تصور کرسکتے ہو تو اس مثال سے کرو۔ اور بھی بہت سے مقامات ہیں جس میں اللہ تعالیٰ نے خود اپنے اس کلام پاک کی مدح وتعریف بیان فرمائی ہے۔ جیسے سورۂ یونس میں فرمایا:

﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ شِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ ۙ۬ وَ هُدًی وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ۝ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْیَفْرَحُوْا ؕ هُوَ

خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۵۸﴾

''اے لوگو! تمہارے پاس آ گئی ہے نصیحت تمہارے ربّ کی طرف سے اور تمہارے سینوں میں جو روگ ہیں اُن کی شفا آ گئی ہے اور ہدایت و رحمت آ گئی اہل ایمان کے حق میں۔ (اے نبی ﷺ) کہہ دیجئے کہ یہ قرآن اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کا مظہر اتم ہے۔ پس اس (فضل' انعام اور احسان) پر خوشیاں مناؤ (کہ اللہ نے قرآن جیسی نعمت تمہیں عنایت فرمائی) جو چیزیں لوگ جمع کرنے (کی فکر اور کوشش) میں لگے رہتے ہیں یہ (قرآن) اُن سے کہیں زیادہ قیمتی شے ہے''۔

اور بھی متعدد مقامات ہیں' اگر ان کا بیان بھی کیا جائے تو بھی کما حقہ' حق ادا نہیں ہو سکتا۔ البتہ یہاں ایک حدیث شریف کا ترجمہ مزید پیش کرنے پر اکتفا کروں گا' جسے امام ترمذی اور امام دارمی رحمہما اللہ نے حضرت علی ؓ سے روایت کیا ہے' جس میں نبی اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے قرآن کی عظمت وفضیلت بیان ہوئی ہے۔

''حضرت علی ؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا' آپ ﷺ نے ایک دن فرمایا: آگاہ ہو جاؤ ایک بڑا فتنہ آنے والا ہے! میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس (فتنہ کے شر) سے بچنے اور نجات پانے کا ذریعہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کتاب اللہ! اس میں تم سے پہلی اُمتوں کے (سبق آموز) واقعات ہیں' اور تمہارے بعد کی اس میں اطلاعات ہیں' (یعنی اعمال واخلاق کے جو دُنیوی واُخروی نتائج وثمرات مستقبل میں سامنے آنے والے ہیں' قرآن مجید میں اُن سب سے بھی آگاہی دے دی گئی ہے) اور تمہارے درمیان جو مسائل پیدا ہوں قرآن میں اُن کا حکم اور فیصلہ موجود ہے (حق وباطل اور صحیح وغلط کے بارے میں) وہ قولِ فیصل ہے' وہ فضول بات اور یاوہ گوئی نہیں ہے۔ جو کوئی جابر و سرکش اس کو چھوڑے گا (یعنی غرور و سرکشی کی راہ سے قرآن سے منہ موڑے گا) اللہ تعالیٰ اس کو توڑ کے رکھ دے گا' اور جو کوئی ہدایت کو قرآن کے بغیر تلاش کرے گا' اُس کے حصہ میں اللہ کی طرف سے صرف گمراہی آئے گی (یعنی وہ ہدایتِ حق سے محروم رہے گا)۔ قرآن ہی حبل اللہ المتین یعنی اللہ سے تعلق کا مضبوط وسیلہ ہے' اور محکم نصیحت نامہ ہے' اور وہی صراط مستقیم ہے' وہی وہ حق مبین ہے جس کے اتباع سے خیالات کجی سے محفوظ رہتے ہیں اور زبانیں اُس کو گڑبڑ نہیں کر سکتیں (یعنی جس طرح اگلی کتابوں میں زبانوں کی راہ سے تحریف داخل ہو گئی اور محرفین نے کچھ کا کچھ پڑھ کر اس کو محرّف کر دیا' اس طرح

قرآن میں کوئی تحریف نہیں ہو سکے گی۔ اللہ تعالیٰ نے تا قیامت اس کے محفوظ رہنے کا انتظام فرما دیا ہے) اور علم والے کبھی اس کے علم سے سیر نہیں ہوں گے (یعنی قرآن میں تدبر کا عمل اور اس کے حقائق و معارف کی تلاش کا سلسلہ ہمیشہ ہمیشہ جاری رہے گا اور کبھی ایسا وقت نہیں آئے گا کہ قرآن کا علم حاصل کرنے والے محسوس کریں کہ ہم نے علمِ قرآن پر پورا عبور حاصل کر لیا اور اب ہمارے حاصل کرنے کے لئے کچھ باقی نہیں رہا۔ بلکہ قرآن کے طالبینِ حق کا حال ہمیشہ یہ رہے گا کہ وہ علمِ قرآن میں جتنے آگے بڑھتے رہیں گے اتنی ہی اُن کی طلب ترقی کرتی رہے گی اور اُن کا احساس یہ ہوگا کہ جو کچھ ہم نے حاصل کیا ہے وہ اس کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے جو ابھی ہم کو حاصل نہیں ہوا ہے) اور وہ (قرآن) کثرتِ مزاولت سے کبھی پرانا نہیں ہوگا (یعنی جس طرح دنیا کی دوسری کتابوں کا حال ہے کہ بار بار پڑھنے کے بعد اُن کے پڑھنے میں آدمی کو لطف نہیں آتا' قرآن مجید کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے' وہ جتنا پڑھا جائے گا اور جتنا اس میں تفکر و تدبر کیا جائے گا اتنا ہی اس کے لطف و لذت میں اضافہ ہوگا) اور اس کے عجائب (یعنی اس کے دقیق و لطیف حقائق و معارف) کبھی ختم نہیں ہوں گے۔ قرآن کی یہ شان ہے کہ جب جنوں نے اس کو سنا تو بے اختیار بول اٹھے:

﴿اِنَّا سَمِعۡنَا قُرۡاٰنًا عَجَبًا ۙ﴿۱﴾ یَّهۡدِیۡۤ اِلَی الرُّشۡدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ؕ﴾ (الجن)

''ہم نے قرآن سنا جو عجیب ہے' رہنمائی کرتا ہے بھلائی کی طرف۔ پس ہم اس پر ایمان لے آئے''۔

جس نے قرآن کے موافق بات کہی اس نے سچی بات کہی' اور جس نے قرآن پر عمل کیا وہ مستحق اجر و ثواب ہوا' اور جس نے قرآن کے موافق فیصلہ کیا اس نے عدل و انصاف کیا' اور جس نے قرآن کی طرف دعوت دی اس کو صراطِ مستقیم کی ہدایت نصیب ہو گئی!''

زیر مطالعہ آیت کا اختتام ان الفاظ مبارکہ پر ہوا ہے: "وَلَعَلَّکُمۡ تَشۡکُرُوۡنَ"۔ ان دو لفظوں میں نزولِ قرآن کا مقصد اور اس کی غایت بیان فرمائی ''تا کہ تم (اس لازوال نعمت پر) اللہ کا شکر ادا کرو''۔ قرآن کا شکر کیا ہے؟ یہ کہ ہم قرآن کی ہدایات' تعلیمات اور احکام کی پیروی کریں اور اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی کو اس کے اوامر و نواہی کا پابند بنائیں اور اس پر عمل پیرا ہوں۔ اور اس طرح قرآن مجید کے جو حقوق ہم پر عائد ہوتے ہیں' انہیں ادا کرنے کی فکر کریں۔ یہ بات بھی جان لیجئے کہ ہم جو روزہ رکھتے ہیں یہ بھی دراصل قرآن ہی کا حق ہے' جو ہم ادا کرتے ہیں۔ اس لئے کہ ماہِ صیام نزولِ قرآن کا مہینہ ہے۔

اس موقع پر نہایت اختصار سے عرض کرتا ہوں کہ اس مقام پر قرآن مجید کو "ھُدًی لِلنَّاس" فرمایا گیا ہے کہ یہ پوری نوع بشر کے لئے ہدایت ہے' جبکہ سورۃ البقرہ کے بالکل آغاز میں قرآن کو "ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ" قرار دیا گیا ہے کہ یہ خداترس لوگوں کے لئے ہدایت ہے۔ جن میں تقویٰ اور خداخوفی نہیں وہ اس کتاب مبین سے استفادہ نہیں کر سکتے۔ چنانچہ ابوجہل اس سے محروم رہا' ابولہب اور ولید بن مغیرہ اس سے استفادہ نہیں کر سکے' جبکہ قرآن ان کی اپنی زبان میں نازل ہو رہا تھا اور اس ہستی پر نازل ہو رہا تھا جس کی بے داغ سیرت و کردار ان کی نگاہوں کے سامنے تھی' جسے وہ خود الصادق اور الامین قرار دے چکے تھے۔ لیکن پھر بھی محروم کے محروم رہے۔ علامہ اقبال نے خوب کہا ہے کہ ۔

حسنؓ ز بصرہ بلالؓ از حبش' صہیبؓ از روم
ز خاکِ مکہ ابوجہل' ایں چہ بوالعجبیست

حقیقت یہ ہے کہ جن میں خود میلان نہیں ہے' خود رجحان نہیں ہے' جن کے دلوں میں راہِ حق کی جستجو اور طلب نہیں ہے' وہ اس "ھُدًی لِّلنَّاس" سے استفادہ کرنے سے محروم رہ جائیں گے۔ اس کتاب سے استفادہ کے لئے تقویٰ' خداترسی اور راہِ حق کی طلب کی کوئی نہ کوئی رمق ہونی ضروری ہے۔

اب اس بات کو بالکل الجبرا کے فارمولے کی طرح ذہن میں جما لیجئے کہ قرآن اصل میں تو پوری نوع انسانی کے لئے ہدایت ہے لیکن اس سے استفادہ کی شرط تقویٰ ہے۔ تقویٰ کے حصول کا ذریعہ روزہ ہے۔ لہٰذا اس ماہِ مبارک میں روزہ فرض کر دیا گیا جس میں قرآن نازل فرمایا گیا کہ اس ماہ کی برکات سے صحیح طور پر مستفید ہونے کے لئے دن میں روزہ رکھو اور روزے کے ذریعے سے تقویٰ کی کوئی رمق حاصل ہوئی ہے تو اس پونجی کو لے کر رات کو کھڑے ہو جاؤ۔ گویا زمین تیار کر لی گئی ہے اور تیار زمین پر بارش برسے تو یہ بارش اس کے لئے بہت مفید ہوتی ہے۔ اگر زمین پر ہل نہیں چلایا' بیج نہیں ڈالا تو اس زمین کو اس بارش سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ چنانچہ روزے کے ذریعے سے اپنے دل کی زمین کو کچھ تیار کر کے اور اس میں تقویٰ کی کچھ رمق پیدا کرنے کے بعد اب قیام اللیل کا اہتمام و التزام کرو۔ تاکہ بارانِ رحمت کا نزول ہو' کلامِ الٰہی تمہارے قلب پر نازل ہو۔ بقول علامہ اقبال ۔

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازیؔ' نہ صاحبِ کشاف!

جب قرآن انسان کے قلب پر اُترتا ہے تو درحقیقت یہ اُس کے دل میں جذب ہوتا ہے۔ اگر دل میں تقویٰ کا ہل چل چکا ہو تو قرآن اس میں بہار لے آتا ہے۔

یہ آیت مبارکہ ختم ہوتی ہے "لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ" کے الفاظ پر' یعنی ''تاکہ تم شکر گزار بن جاؤ''۔ اب ہمیں سمجھنا ہے کہ ''شکر'' کیا ہے' اگرچہ یہ لفظ اردو زبان میں عام مستعمل ہے اور لفظ شکریہ تو ہماری زبان پر بار بار آتا ہے۔ ایک مہذب انسان کی تو یہ عادتِ ثانیہ ہوتی ہے کہ وہ مہربانی پر شکریہ ادا کرتا ہے۔ لہٰذا تہذیبی و تمدنی زندگی میں یہ ''شکریہ'' بہت اہم ہے۔ لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ پوری طرح سمجھا جائے کہ ''شکر'' درحقیقت کسے کہتے ہیں۔ امام راغب اصفہانیؒ نے ''مفردات القرآن'' میں لفظ ''شکر'' پر بڑی پیاری بحث کی ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ شکر کے تین درجے ہیں۔ پہلا درجہ ''شکر بالقلب'' ہے' یعنی سب سے پہلے کسی کے احسان کا احساس اور شعور ہو۔ اس احسان' انعام یا نعمت کی قدر و قیمت کا اندازہ ہو۔ کسی نے آپ کے ہاتھ پر ہیرا رکھا اور آپ نے اسے کانچ کا ایک ٹکڑا سمجھا تو آپ اس کا کیا شکریہ ادا کریں گے! کسی نعمت کی قدر و منزلت کا جتنا ادراک و شعور ہوگا' اتنا ہی آپ اس نعمت کا شکریہ ادا کر سکیں گے۔ لہٰذا شکر کا پہلا درجہ اور مرحلہ شکر بالقلب ہے۔ دوسرا درجہ اور مرحلہ ہے ''شکر باللّسان''' یعنی دل میں جو جذباتِ شکر ابھرے ہیں' اب وہ الفاظ کا جامہ اختیار کر کے زبان پر آئیں گے اور آپ اپنے محسن و منعم کا زبان سے شکریہ ادا کریں گے۔ شکر کا تیسرا درجہ اور مرحلہ ہے ''شکر بالجوارح''' یعنی اپنے پورے وجود سے شکر کرنا۔ یہ شکر کیا ہے؟ اس کو اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے۔ یہ ''شکر'' دراصل یہ ہے کہ اس نعمت کا حق ادا کیا جائے۔ اگر نعمت کا حق ادا نہیں کیا تو یہ بھی ناشکری ہے۔ میں اس کی تفہیم کے لئے سادہ ترین مثال دیا کرتا ہوں کہ کسی بچے کو اس کے والد کوئی اعلیٰ کتاب لا کر دیتے ہیں' اس پر وہ بچہ فوراً Thanks Daddy کہہ کر اپنے مہذب ہونے کا ثبوت تو دے دیتا ہے' لیکن پھر اس کتاب کو الماری میں رکھ دیتا ہے اور اس کا مطالعہ ہی نہیں کرتا تو بتایئے کہ اس نے شکر کیا؟ حقیقت میں اس نے ناقدری کی' ناشکری کی' کفرانِ نعمت کیا۔ باپ نے کتاب اس لئے لا کر دی تھی کہ بچہ پڑھے تو اس کے علم و فہم میں وسعت ہو اور معلومات میں اضافہ ہو' لیکن اس بچے نے کتاب سے یہ فائدہ نہیں اٹھایا۔ چنانچہ نعمت کا حق ادا کرنا آخری درجہ کا شکر ہے۔

اب اس کے حوالے سے سمجھئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں قرآن جیسی کتاب دی۔ جیسے باپ نے بچہ کو کتاب لا کر دی[ایسے ہی ہمارے آسمانی باپ نے ہمارے لئے کتاب اتاری۔

آسمانی باپ کا لفظ اللہ تعالیٰ کے لئے انجیل میں آتا ہے اور اس اعتبار سے برا نہیں ہے کہ جیسے ہمارا باپ ہماری پرورش کرتا ہے' ویسے ہی اللہ تعالیٰ تمام جہانوں کا پروردگار اور پالن ہار ہونے کی حیثیت سے آسمانی باپ ہے] ایسے ہی ہمارے پروردگار نے ہمیں کتاب دی ہے۔ اس لئے کہ ہم اس سے ہدایت اخذ کریں' اسے اپنا امام و رہنما بنائیں' اس سے اپنے قلوب و اذہان کو منور کریں' اس سے اپنے سینوں کو آباد کریں اور اس کی تعلیمات سے استفادہ کریں۔ اس کتاب سے خالق و مالک کی معرفت حاصل کریں' اس کی صفاتِ کمال کا ادراک کریں' اس کی توحید کو پہچانیں' اس پوری کائنات بالخصوص انسان کی تخلیق کے مقصد کو جانیں' اپنے ربّ کی مرضیات کا شعور و فہم اور اس کے اوامر و نواہی سے آگہی حاصل کریں۔ لیکن اگر ہم نے اس کتاب کو بند کر کے رکھ چھوڑا اور اسے گاہے بگاہے چوم لیا' یا یہ اگر کہیں ہاتھ سے گر گیا تو اس کے ہم وزن گندم صدقہ کر دی' یا بچی کو اعلیٰ سے اعلیٰ نسخہ جہیز میں دے دیا' یا یہ کہ بہو جب پہلی بار گھر میں داخل ہو رہی ہو تو اس پر قرآن کا سایہ کر دیا' تو کیا قرآن کے یہ حقوق ہیں؟ کیا قرآن ان کاموں کے لئے دیا گیا تھا؟ قرآن تو اس لئے نازل کیا گیا تھا کہ نوعِ انسانی اپنے نظامِ حیات کے لئے اسے امام بنائے۔ چنانچہ اس قرآن نے دنیا کو ہلا کر رکھ دیا۔ اس قرآن نے دنیا میں ایک صالح و عظیم انقلاب برپا کر دیا۔ وہ ہمہ گیر انقلاب کہ آج بھی جب اس کی یاد تازہ کی جاتی ہے تو آدمی دنگ رہ جاتا ہے کہ بیس برس کے مختصر ترین عرصہ میں آج سے چودہ سو سال قبل اتنا عظیم و ہمہ گیر انقلاب!! اور آج چالیس من وزنی قرآن نمائش کے لئے رکھا ہوا ہے جس کے حروف سونے کے تاروں سے لکھے گئے ہیں۔ تو کیا یہ ہے قرآن کا اصل مصرف؟

پس قرآن مجید کی نعمت کا شکر اس کے شایانِ شان ادا کرنے کے لئے ہمیں اُس کے پنجگانہ حقوق ادا کرنا ہوں گے:

۱۔ ایمان و تعظیم۔ ۲۔ تلاوت و ترتیل۔ ۳۔ تذکر و تدبر۔

۴۔ احکام پر عمل اور نواہی سے پرہیز۔ ۵۔ اس کی تعلیمات کو عام کرنا۔

علامہ اقبال نے قرآن حکیم کے بارے میں کتنی پیاری بات کہی ہے ؎

از یک آئینی مسلماں زندہ است
پیکر ملت ز قرآں زندہ است
ما ہمہ خاک و دلِ آگاہ اوست
اعتصامش کن کہ حبل اللہ اوست!